اعلیٰ

سورہ نمبر 87

تنزیلی نمبر06

آیات 19

پارہ 30

مکی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فضیلت سورہ اعلیٰ

📖 امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جو شخص "سبح ربک الاعلیٰ" واجب یا سنتی نمازوں (نوافل) میں پڑھے تو روزِ قیامت اس سے کہا جائے گا تم جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہوجاؤ. (ثواب الاعمال)

📖 خواص القرآن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جو یہ سورہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمدؐ پر جو کچھ نازل فرمایا، اس کے حروف کی تعداد کے برابر اجر عطا کرے گا اور اگر اس سورے کو کانوں کے درد کے لیے پڑھا جائے تو درد جاتا رہے گا اور اگر یہ سورہ بواسیر کے لیے پڑھا جائے یہ بواسیر کو ختم کرتا دیتا ہے اور اس کے مریض جلد ہی صحت پاجاتے ہیں۔ (خصوصیات و فوائدِ قرآن)

📖 امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سورے کا ایسے کانوں پر پڑھنا جو بجتے ہوں اور کوئی چیز گھومتی ہو یہ سب بیماریاں دور ہوجائیں گی اور اگر یہ سورہ کسی فاسد جگہ پر پڑھا جائے تو اس کا فساد جاتا رہے گا اور بواسیر کے لیے پڑھنے سے حکم خدا سے بواسیر منقطع ہوجاتی ہے۔ (خصوصیات و فوائدِ قرآن)

📖 **متعدد روایات میں آیاہے کہ جس وقت پیغمبر یا ائمہ ہدیٰ " سبح اسم ربک الاعلیٰ " پڑھتے تو اس کے بعد اس حکم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے "سبحان ربی الاعلیٰ "۔ (تفسیر نمونہ، بحوالہ نورالثقلین)**

تعارفی نوٹ

1۔ نام

- "الأعلى" کا مطلب ہے :**سب سے بلند، اعلیٰ، بلند تر**۔
- یہ نام سورہ کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے :**سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى** (اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جو سب سے بلند ہے)۔

2۔ نزول

- مکی سورۃ ہے۔
- ابتدائی مکی دور میں نازل ہوئی، جب نبی ﷺ کو دعوت کے ساتھ ساتھ تسبیح و عبادت پر بھی زور دیا جا رہا تھا۔

3۔ مرکزی موضوع(Theme)

- اللہ تعالیٰ کی **بلندی، قدرت اور ربوبیت** کا بیان۔
- وحی اور قرآن کی **یاد دہانی** اور اس کے نتیجے میں کامیاب و ناکام انسان کی وضاحت۔
- دنیاوی زندگی کی **ناپائیداری** اور آخرت کی **برتری** پر زور۔

خالق

1۔ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾

(اے نبی) اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو۔

(بلاغ القرآن)

اللہ کی تسبیح

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

(الواقعہ، 56:74)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ

(الحجر، 15:98)

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ

(الإسراء، 17:44)

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

(الحشر، 59:1)

📖 **الاَعلَی :اس رب کے اسم کی تسبیح کرو جس کی بلندی وصف و بیان کی حد سے بڑھ کر ہے۔ یہاں بھی الاَعلَی کے معنی بیان کرتے ہوئے "سب سے بلند" کہنا درست نہیں ہے، جس طرح اللّٰہ اکبر میں "سب سے بڑا" کہنا درست نہیں ہے۔ چونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلوقات کے ساتھ موازنہ لازم آتا ہے جو بذات خود تقدیس و تسبیح کے منافی ہے۔ (کوثر)**

📖 **مفسرین کی ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ یہاں اسم سے مراد مسمیٰ ہے جبکہ ایک جماعت نے کہا ہے کہ مراد خود اسم پروردگار ہے، وہ نام جو**

مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے ان دونوں تفسیروں کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ۔(تفسیر نمونہ)

❓ اعتراض: "جب اللہ بذاتِ خود اعلیٰ ہے تو پھر **'نام' کی تسبیح کا حکم کیوں**؟"

✅ جواب: کیونکہ اللہ کی معرفت انسان کو براہِ راست ذات سے نہیں بلکہ اس کے ناموں اور صفات سے ہوتی ہے۔ اس لیے نام کی تسبیح کا حکم دیا گیا۔

📖 **شیخ مفید علیہ الرحمہ نے روضۃ الواعظین میں ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے، جس کا نام "حزقائیل" ہے۔ اس کے اٹھارہ ہزار (18000) پر ہیں. ایک پر سے دوسرے پر کا درمیانی فاصلہ پانچ سو (500) سال کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی کہ وہ پرواز کرے اور میرے عرش تک پہنچنے کی کوشش کرے۔**

اس فرشتے نے اپنی پرواز کا آغاز کیا اور وہ بیس ہزار (20،000) سال تک مسلسل پرواز کرتا رہا تو وہ پھر بھی عرش کے ستونوں میں سے ایک ستون کے سر تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طاقت کا دگنا کردیا اور حکم دیا کہ وہ اپنی پرواز کو شروع کرے۔ وہ پھر اپنی منزل کو پانے کے لے اُڑا، پھر تیس ہزار (30،000) سال اُڑتا رہا، پھر بھی اپنی منزل کو نہ پاسکا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی: اسے فرشتے تو اگر اس رفتار کے ساتھ قیامِ قیامت اُڑتا رہے تو پھر بھی میرے عرش کے ساق تک نہیں

پہنچ سکتا۔ جب فرشتے نے وحی سنی تو کہا: سبحان ربی الاعلیٰ . تو اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعلیٰ نازل فرمائی۔ (نورالثقلین، ج9)

2۔ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾

جس نے خلق کیا پھر درست کیا۔

(اظھر)

تخلیق اور تناسب

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ

"جس نے جو کچھ پیدا کیا، اسے بہترین بنایا"

(السجدہ، 32:7)

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ

"جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست بنایا اور توازن دیا"

(الانفطار، 82:7)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

"بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"

(التین، 95:4)

الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ. وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ

"وہ جس نے پیدا کیا اور درست کیا، اور وہ جس نے اندازہ کیا اور رہنمائی کی"

(الأعلى، 87:2-3)

لغوی و صرفی تحقیق

خَلَقَ ← فعل ماضی، پیدا کیا، وجود بخشا۔

فَسَوَّىٰ ← باب تفعیل، "تسویہ" یعنی درست تناسب دینا، ہموار اور متوازن کرنا، ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا۔

"خَلَقَ" → محض وجود دینا۔

"فَسَوَّىٰ" → وجود کو ایک مکمل نظام اور توازن کے ساتھ قائم کرنا۔

یعنی تخلیقِ کائنات اندھی طاقت کا نتیجہ نہیں، بلکہ **حکمت اور تناسب پر مبنی شعوری عمل** ہے۔
انسانی جسم، کائنات، نباتات و حیوانات سب اسی "تسویہ" (تناسب و توازن) کی نشانی ہیں۔

❓ اعتراض: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کائنات حادثاتی طور پر وجود میں آئی ہے (جیسے "اتفاقِ ارتقاء")، تو یہ "فَسَوَّىٰ" (تناسب) کہاں سے آیا؟

✅ جواب: اگر کائنات محض حادثہ ہوتی تو اس میں اس قدر باریک توازن، ریاضیاتی قوانین اور حیاتیاتی ساخت میں ہم آہنگی نہ ہوتی۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ توازن خالق کی منصوبہ بندی کا ثبوت ہے۔

- سائنسی تحقیقات جتنی بڑھتی ہیں، اتنا ہی "تسویہ" کا تصور نمایاں ہوتا ہے: ڈی این اے کا ڈیزائن، نظامِ کہکشاں، انسانی اعضاء کی بناوٹ۔
- یہ آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں پر غرور نہ کرے، کیونکہ اس کی تخلیق اور تناسب دینے والا اللہ ہے۔
-

3۔ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَہَدٰی ﴿۳﴾

اور جس نے (ہر شے کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے (فطری) ہدایت عطا فرمائی۔

(اسرار احمد)

فرقان، 25:2، فقدرہ تقدیرا

انبیاء، 21:30، ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنھما

حشر، 59:24، ھُوَ اللّٰہُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ

تقدیر اور ہدایت

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت دی پھر اسے راہ دکھائی"

(طٰہٰ، 20:50)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ. وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ

"اپنے ربِ اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو، جس نے پیدا کیا اور درست کیا، اور جس نے اندازہ مقرر کیا اور راہ دکھائی"

(الأعلى، 87:1-3)

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ
"وہ جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے"
(الشعراء، 26:78)

وَالَّذِي نَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا. فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
"اور نفس کی قسم اور اسے جس نے درست بنایا، پھر اسے اس کی بدی اور نیکی کی پہچان دی"
(الشمس، 91:7-8)

قَدَّرَ ←باب تفعیل، اندازہ مقرر کرنا، پیمانہ بٹھانا، تقدیر طے کرنا۔
هَدَىٰ ←ہدایت دینا، رہنمائی کرنا، سیدھی راہ دکھانا۔

"قَدَّرَ" = اللہ نے ہر مخلوق کے لیے **مخصوص ساخت، نظام اور حدود** طے کر دیں۔
"فَهَدَىٰ" = پھر ہر مخلوق کو اس کی **مطلوبہ راہ دکھائی**:

- مکھی کو پرواز کا علم
- پرندے کو ہجرت کا راستہ
- انسان کو خیر و شر کی پہچان

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ نہ صرف خالق ہے، بلکہ مخلوق کی بقا اور سمت کی ضمانت بھی اسی نے رکھی ہے۔

❓ اعتراض: اگر سب کو اللہ نے ہدایت دی ہے تو پھر گمراہی کیوں موجود ہے؟
✅ جواب: "ہدایت" دو طرح کی ہے:

1. **تکوینی ہدایت** ←جبلت و فطرت کی رہنمائی (یہ سب کو لازمی ملتی ہے)۔
2. **تشریعی ہدایت** ←دین اور وحی کے ذریعے، جسے قبول یا رد کرنا انسان کے اختیار میں ہے۔

⚒ فطرت کے نظام میں اللہ کی ہدایت واضح ہے: شھد کی مکھی کے چھتے، پرندوں کی ہجرت، سمندری مخلوقات کی سمت شناسی ← یہ سب "فَهَدَىٰ" کی زندہ مثالیں ہیں۔

انسان کے لیے پیغام یہ ہے کہ جیسے باقی مخلوقات اپنے فطری راستے پر چلتی ہیں، ویسے ہی انسان کو بھی اپنی اصل ہدایت (وحی) پر چلنا چاہیے۔

ان دو آیتوں میں تخلیق کے 4 مرحلے وضح کیے گئے ہیں،

1. خلق، 2. فسویٰ، 3. قدّر، 4. فھدیٰ
(خلق کیا، درست کیا، تقدیر قائم کی، ہدایت فرمائی)۔
یہ چیز evolution theory کو سپورٹ کرتی۔

✎ **مزید یہ کہ کائنات کا اس انداز میں تخلیق کرنا، انسان کا اس کائنات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ یعنی جب Redshift سے پتا چلا کہ ستارے ہم سے دور ہو رہے ہیں تو پتا چلا کائنات پھیل رہی ہے، اور جب یہ پتا چلا کائنات پھیل رہی ہے تو reverse engineering کرکے Big Bang کا پتا لگایا گیا...**

📖 **ان چار الفاظ خَلَقَ، فَسَوّٰی، قَدَّرَ ، فَھَدٰی میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان بھی ہے اور تخلیقی عمل کے مختلف مراحل کا ذکر بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کے حوالے سے تین اسمائے حسنیٰ اَلْخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ، اَلْمُصَوِّرُ کا ایک ساتھ ذکر قبل ازیں سورۃ الحشر کی آخری آیت میں بھی آچکا ہے۔ سورۃ الحشر کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفات ایک خاص منطقی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ ترتیب دراصل تخلیقی عمل کے مرحلہ وار ارتقاء کی نشاندہی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے کسی چیز کا نقشہ یا نمونہ بناتا ہے ، اس لحاظ سے وہ اَلْخَالِقُ ہے۔ پھر وہ**

مطلوبہ چیز کو طے شدہ نمونے کے مطابق عدم سے عالم وجود میں ظاہر فرماتا ہے ' اس اعتبار سے وہ اَلْبَارِی ہے۔ تیسرے مرحلے میں وہ اس تخلیق کو ظاہری صورت یا شکل عطا فرماتا ہے ' اس مفہوم میں وہ اَلْمُصَوِّرُہے۔ سورۃ الحشر کی مذکورہ آیت میں تخلیقی عمل کے جن تین مراحل کا ذکر ہوا ہے ان کا تعلق چیزوں کے ظاہری یا مادی وجود سے ہے ' جبکہ زیر مطالعہ آیات میں مادی وجود کی تخلیق کے ساتھ ساتھ چیزوں کے باطنی خصائص کی تخلیق کا ذکر بھی ہے۔ خَلَقَ فَسَوّٰی کے الفاظ میں چیزوں کے مادی وجود کی تخلیق کے مراحل کا بیان ہے ' جبکہ قَدَّرَ فَهَدٰی کے الفاظ کسی تخلیق کے باطنی پہلوئوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اب ہم ان الفاظ کے معانی و مفہوم کو انسانی ماحول کی مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چناچہ پہلے دو مراحل تخلیق اور تسویہ کو ایک عمارت کی مثال کے حوالے سے یوں سمجھئے کہ کسی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کردینا اس کی "تخلیق" ہے ' جبکہ اس کو سجانا ' سنوارنا finishing وغیرہ اس کا "تسویہ" ہے۔ تخلیق کا تیسرا مرحلہ جس کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ "قدر" ہے۔ قدر کے لغوی معنی اندازہ مقرر کرنے کے ہیں ' جسے عرفِ عام میں ہمارے ہاں تقدیر کہا جاتا ہے۔ اس مفہوم میں کسی تخلیق کے معیار ' اس کی صلاحیت ' استعداد اور حدود limitations سمیت جملہ خصوصیات کو اس کی قدر یا تقدیر کہا جائے گا۔ مثلاً انسان اشرف المخلوقات تو ہے لیکن وہ ہوا میں اڑنے سے معذور ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی چڑیا آسانی سے ہوا میں اڑتی پھرتی ہے۔ تو گویا ہوا میں اڑنے کی یہ صلاحیت رکھنا چڑیا کی

تقدیر کا خاصہ ہے اور اس اعتبار سے معذور ہونا انسان کی تقدیر کا حصہ ہے۔ اس کے بعد تخلیق کے اگلے مرحلے کے طور پر یہاں "ہدایت" کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد وہ فطری اور جبلی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو پیدائشی طور پر عطا کر رکھی ہے۔ اسی "ہدایت" کی روشنی میں بکری کو معلوم ہوا ہے کہ اسے گھاس کھانا ہے اور شیر جانتا ہے کہ اس کی غذا گوشت ہے۔ غرض ہر جاندار اپنی زندگی اسی طریقے اور اسی لائحہ عمل کے مطابق گزار رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طے کردیا ہے۔ تخلیق کے ان چار مراحل کے حوالے سے اگر ہم انسانی زندگی کا جائزہ لیں تو پہلے دو مراحل یعنی تخلیق اور تسویہ کے اعتبار سے تو انسان میں اور اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن اگلے دو مراحل تقدیر اور ہدایت کے حوالے سے انسان کا معاملہ دوسری مخلوقات سے الگ ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان کی قدر ' صلاحیت اور استعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں دو طرح سے طے پاتی ہے۔ اس کا ایک پہلو یا ایک حصہ تو وہ ہے جو اسے پیدائشی طور پر جینز genes کی صورت میں عطا ہوا given ہے اور دوسرا پہلو یا دوسرا حصہ اس کے ماحول کا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا اور پرورش پاتا ہے۔ ان دونوں پہلوئوں کے اچھے برے اور مثبت و منفی عوامل کے ملنے سے ہر انسان کی شخصیت کا ایک سانچہ تیار ہوتا ہے جسے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 84 میں "شاکلہ" کا نام دیا گیا ہے۔ سورئہ بنی اسرائیل کی اس آیت کے تحت اس اصطلاح کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اسی سانچہ یا شاکلہ سے ہر انسان کی استعداد کی حدود متعین ہوتی ہیں۔ اور کوئی انسان انگریزی محاورہ "one cannot out grow ones skin " کوئی

انسان اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا کے مصداق ان حدود سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ ہر انسان نیکی کرے گا تو اپنی اسی استعداد کے مطابق کرے گا اور اگر برائی کمائے گا تو انہی حدود کے اندر رہ کر ایسا کرے گا۔ غرض ہر انسان کی عملی زندگی کی ساری محنت ‘ کوشش اور بھاگ دوڑ اپنے شاکلہ کے مطابق ہی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جانچ evaluation بھی اسی حوالے سے کی جائے گی۔ مثلاً ایک شخص کی صلاحیت پچاس درجے تک پہنچنے کی تھی ‘ اگر وہ چالیس درجے تک پہنچ گیا تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کامیاب قرار پائے۔ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص جو سو درجے تک جانے کی استعداد رکھتا تھا ‘ وہ ممکن ہے پچاس درجے تک پہنچنے کے بعد بھی ناکام رہے۔ بہرحال اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ایک اصول طے فرمادیا کہ { لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَاط } البقرۃ : 286 ”اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ “اسی طرح انسان کی ”ہدایت“ کے بھی دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ تو جبلی ہدایت کا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو جبلی ہدایت سے نواز رکھا ہے اسی طرح اس نے ہر انسان کو بھی فطری اور جبلی طور پر ہدایت کا ایک حصہ عطا فرمایا ہے۔ جبکہ انسان کی ہدایت کا دوسرا حصہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت میں پہلے سے ودیعت شدہ بنیادی ہدایت کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبر بھی بھیجے اور کتابیں بھی نازل کیں۔ (اسرار احمد)

ہدایت تکوینی

📖 ہدایت سے مراد ہی ہدایت تکوینی ہے جو محر کات اور قوانین کی شکل میں ہے اور جسے ہر موجود پر حاکم قرار دیا جاتا ہے (عام اس سے کہ وہ اندرونی محرک ہوں یابیرونی)۔

مثلاً ایک طرف ماں کے پستا ن اور اس کے دودھ کو بچہ کی غذا کے لئے پیدا کیا ہے ، ماں کو شدید محبت مادری سے نوازا ہے اور دوسری طرف بچہ میں محرک پید اکیا ہے جو اسے ماں کے پستان کی طرف کھینچتا ہے یہ آمادگی دونوں طرف کی وقت جاذبہ تمام موجودات کی راہ مقاصد میں نظر آتی ہے ۔

البتہ انسان کے لئے ہدایت تکوینی کے پروگرام کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت بھی موجود ہے جو وحی اور بعثت انبیاء کے ذریعہ صورت پذیر ہوئی ہے ۔ اس کانام ہدایت تشریعی ہے، قابل توجہ یہ امر ہے کہ انسان کی ہدایت تشریعی بھی اس کی ہدایت تکوینی کی تکمیل کرتی ہے ۔

اس مفہوم کو سورہ طٰہٰ کی آیت ۵۰ میں بھی پیش کیا گیا ہے جہاں حضرت موسیٰ و فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ تم دونوں کاپروردگار کون ہے ؟ (فمن ربکما یا موسیٰ) فرماتے ہیں (ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ) ” ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر موجود کو اس کی خلقت لازمہ عطا فرمایا اور پھر اس کی ہدایت کی “۔ (تفسیر نمونہ)

چارہ – سیاہ کوڑا

4۔ وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ﴿۴﴾

اور جس نے چارہ اگایا۔

(بلاغ القرآن)

سبزہ اور روزی

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ. أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ

"تم نے غور کیا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟"

(الواقعة، 56:63-64)

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ. أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا. ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا. فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا. وَعِنَبًا وَقَضْبًا. وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا. وَحَدَائِقَ غُلْبًا. وَفَاكِهَةً وَأَبًّا. مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ

"انسان اپنے کھانے کو دیکھے، کہ ہم نے پانی خوب بہایا، پھر زمین کو پھاڑا، پھر ہم نے اس میں اناج اگایا، اور انگور اور چارہ، اور زیتون اور کھجور، اور گھنے باغات، اور پھل اور چارہ، تاکہ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لیے سامانِ زندگی بنے۔"

(عبس، 80:24-32)

لغوی و صرفی تحقیق

- **أَخْرَجَ** ←نکالا، ظاہر کیا، اگایا۔
- **الْمَرْعَىٰ** " ←رَعْي" سے، یعنی چراگاہ، سبزہ، چارہ، کھانے کی جگہ۔

انِ نزول / تاریخی پس منظر

- اہلِ مکہ بارش اور کھیتی کو اپنے دیوی دیوتاؤں کی برکت سمجھتے تھے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ اصل میں **سبزہ اگانے والا صرف اللہ ہے۔**

اعتراض: "اگر سبزہ اللہ اگاتا ہے تو کسان کی محنت، زمین کی زرخیزی اور بارش کا کیا کردار؟"

جواب: کسان محنت کرتا ہے مگر وہ زمین کو بارآور نہیں بنا سکتا، بارش نہیں برسا سکتا، بیج میں زندگی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ سب اللہ کے نظام کا حصہ ہے۔ انسان صرف سبب اختیار کرتا ہے۔

- ⚒ آج انسان زراعت میں جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتا ہے، مگر بیج کی اصل قوتِ نمو اور زمین کے اندر کی حیات کو پیدا کرنے والا پھر بھی اللہ ہی ہے۔
- یہ آیت ہمیں "شکر گزاری" اور "انکساری" کی تعلیم دیتی ہے۔

5۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿۵﴾

پھر اس کو سیاہ کوڑا بنادیا۔

(وحیدالدین)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ

ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔

(حجر، 15:26)

نباتات کا انجام اور فنا

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ

"اور ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو: جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو زمین کا سبزہ گھل مل گیا، پھر وہ خشک تنکا بن گیا جسے ہوائیں اڑاتی ہیں۔"

(الکہف، 18:45)

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ... كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا

"جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے... بارش کی طرح ہے جس سے اگنے والا سبزہ کسانوں کو خوش کرتا ہے، پھر وہ خشک ہو کر زرد پڑ جاتا ہے، پھر وہ ٹوٹ پھوٹ کر ایندھن بن جاتا ہے۔"

(الحدید، 57:20)

سبزے کا مرجھانا

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ... ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا

"دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے بارش جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کا سبزہ نکلا... پھر وہ ٹوٹ پھوٹ کر بھس بن جاتا ہے۔"

(یونس، 10:24)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ... ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر زمین میں چشموں کی صورت جاری کیا... پھر کھیتی کھڑی ہوتی ہے، پھر تم اسے زرد دیکھتے ہو، پھر وہ اسے بھس بنا دیتا ہے۔"

(الزمر، 39:21)

لغوی و صرفی تحقیق

- **فَجَعَلَهُ** ←پھر اس کو بنا دیا، تبدیل کر دیا۔
- **غُثَآءً** ←کچرا، بہنے والا کوڑا، وہ پتے یا گھاس جو سوکھ کر بہہ جائے۔
- **أَحْوَىٰ** ←سیاہ مائل، مرجھایا ہوا، ایسا سبزہ جو سوکھ کر کالا پڑ جائے۔

اہلِ مکہ بارش اور سبزے پر ناز کرتے تھے، اسے دائمی سمجھتے۔

- اس آیت نے یاد دلایا کہ سبزہ تازہ ہو یا ہرا بھرا، آخرکار وہ **خشک کوڑا** بن کر فنا ہو جاتا ہے۔

آیت 4 میں اللہ کی **قدرتِ تخلیق** (سبزہ اگانے) کا ذکر ہوا۔
آیت 5 میں اسی سبزے کی **فنا** اور ناپائیداری بیان کی گئی۔
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی ہے، اصل بقا اللہ کے حکم اور آخرت کے لیے ہے۔

(خلق بھی وہی کرتا ہے، فنا بھی وہی کرتا ہے۔ پھر فنا کر کے دوبارہ حیات بھی وہی دیتا ہے۔)

اعتراض: "اگر سبزہ مرجھا جاتا ہے تو یہ ضیاع کیوں؟"
جواب: یہ ضیاع نہیں، بلکہ کائنات کا چکر ہے: تازہ گھاس ← جانوروں کی خوراک، خشک پتے ← کھاد، ایندھن یا مٹی کا حصہ۔
یعنی فنا بھی دراصل تخلیق کے تسلسل کا لازمی جز ہے۔

- یہ آیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ دنیاوی زیب و زینت، مال و اسباب بھی سبزے کی طرح فنا ہو جاتے ہیں۔
- اصل توجہ **آخرت کے دائمی رزق** پر ہونی چاہیے۔

اعتراض: "اگر دنیا اتنی ہی فانی ہے تو پھر محنت اور کاشتکاری کی کیا ضرورت؟"
جواب: دنیا محنت کی جگہ ہے مگر مقصد صرف دنیا نہیں بلکہ آخرت کی تیاری ہے۔ **قرآن دنیا کو "کھیتی" کہتا ہے، جس کا پھل آخرت میں کاٹا جائے گا۔**

📖 تیسری علت یہ ہے کہ بعض مفسرین کے مطابق اس آیت میں گھاس اور درختوں سے پتھر کے کوئلوں کی تخلیق کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ پتھر کا کا کوئلہ جو کرۂ زمین سے حاصل ہونے والی قوتوں میں سے ایک اہم ترین قوت ہے انسان اپنی روز مرہ کی زندگی میں اپنی صنعتوں اور کار خانوں میں اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھا چکا ہے اور اب بھی اٹھا تا ہے ۔

یہ کوئلہ گیاہ اور درختوں کا باقی ماندہ حصہ تھا جو کئی ملین سال سے خشک ہوکر زمین میں دفن ہو گیا اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ پتھر بن کر سیاہ رنگ اختیار کرچکا ہے ۔ بعض ماہرین کا نظر یہ ہے کہ وہ چرا گاہیں موجودہ زمانے میں پتھر کے کوئلے کی شکل اختیار کرکے نکل آئی ہےں تقریباً ڈھائی ملین سال پہلے موجود تھیں اور پھر زمین میں دفن ہوگئیں ۔ (نمونہ)

✎ اللہ تعالٰی نے "تخلیق" کا ذکر کیا، اور تخلیق کے بعد "چارہ" گھاس پھونس کا ذکر کیا، یعنی اس ارضِ دنیا پر جو پہلی حیاتی چیز تھی، وہ گھاس، پودے، درخت تھی۔ "وہ سڑ کر سیاہ کوڑا ہوگیا"، شاید اس سے نامیاتی اجزاء/ Organic Matters کی طرف اشارہ ہو کہ پھر اس سے دیگر مخلوقات کو پیدا ہونے کا سبب بنا۔

1. Cosmic Origin of Carbon (Before Earth)

- Carbon is made in **stars**, not on Earth.
- Through a process called **stellar nucleosynthesis**, carbon atoms are formed in the **cores of massive stars** via the fusion of helium.
- When these stars **explode in supernovae**, they scatter carbon and other elements into space.
- This **carbon-rich stardust** becomes part of **nebulae**, which later form new stars and planets — including Earth.

Conclusion: Organic matter's *base element* (carbon) is older than Earth and came from stars.

---

2. Formation of Organic Compounds on Early Earth

Two major theories:

A. Abiotic Synthesis on Earth (Primordial Soup)

- Early Earth had a **reducing atmosphere**: methane (CH_4), ammonia (NH_3), hydrogen (H_2), and water vapor.
- Lightning or UV radiation could trigger chemical reactions.
- **Miller-Urey Experiment (1953)** showed that amino acids (building blocks of proteins) could form under such conditions.

These organic compounds could accumulate in oceans = **primordial soup**.

B. Panspermia / Extraterrestrial Delivery

- Organic molecules may have been delivered to Earth via **meteorites, comets, or interstellar dust**.
- Some carbonaceous chondrites (meteorites) contain:
  - **Amino acids**
  - **Sugars**
  - **Simple nucleobases**

This supports the idea that **organic compounds were seeded from space**, then evolved further on Earth.

3. From Organic Molecules to Life (Biogenesis)

- The next major step was **polymerization**: forming long chains like proteins and RNA.
- Some hypotheses:
  - **RNA world hypothesis** (RNA formed before DNA and proteins)
  - **Hydrothermal vent theory** (life may have originated in deep-sea vents)

This led to the emergence of **protocells**, and eventually the **first microbial life** around **3.5–4 billion years ago**.

ذکر قرآن

6۔ سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی ﴿۶﴾

ہم تمہیں پڑھوا دیں گے، پھر تم نہیں بھولوگے۔

(فی ظلل القرآن)

قرآن کی تعلیم اور یاد رکھوانا

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا

"بیشک ہم نے ہی تم پر قرآن نازل کیا، تدریجی طور پر۔"

(الانسان، 76:23)

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ. إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ. فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ. ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

"اسے جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان حرکت نہ دو۔ بیشک اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم پڑھا دیں تو تم اس کی پیروی کرو۔ پھر اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

(القیامۃ، 75:16-19)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

"اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟"

(القمر، 54:17)

یہ وحی اور قرآن کے بارے میں رسول ﷺ کو اللہ کی ضمانت ہے۔

- انسان فطرتاً بھولنے والا ہے، مگر رسول ﷺ کو وحی یاد رہنا اللہ کی قدرت کا خاص مظہر ہے۔
- یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ قرآن انسانی یادداشت پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی حفاظت میں ہے۔

❓ اعتراض: "قرآن میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو بعض آیات بھلا دی گئیں (البقرہ 106) تو پھر یہاں کیسے کہا گیا کہ آپ بھولیں گے نہیں؟"

✅ جواب: "فَلَا تَنسَىٰ" عمومی یادداشت کی ضمانت ہے۔ البتہ آیاتِ **منسوخہ** یا وقتی بھلا دینا اللہ کے حکم سے تھا، جس کا مقصد تدریج یا حکمتِ تشریع تھا۔

سنقرئك فلا تنس: یہ آیت ان لوگوں کے خلاف سخت دلیل ہے، جو "نبی امی" کو لیکر کہتے ہیں کہ نبی معاذاللہ انپڑھ تھے۔ جس کو خود خدا پڑھوا دے اس سے بڑھ کر کون پڑھا لکھا ہوسکتا؟ (یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی مصلحت سے خود جان بوجھ کر لکھتے نہ تھے)۔ ہم عام بندوں، عام اور کم عقل و کم علم والوں سے پڑھ کر تو "پڑھے لکھے" کہلواتے ہیں پر جسکو اللہ پڑھادے وہ معاذ اللہ اب تک ان پڑھ؟

جبکہ اسکا کے پہلے دو سبق شروع ہی "اقراء" و "قلم" سے ہوتے ہیں، جبکہ اس نبی کے بارے میں قرآن میں آیا کہ یہ "کتاب کی تعلیم دیتا ہے"

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (جمعہ، 62:2)

"وہی ہے جس نے امیون میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے (تزکیہ کرتا ہے)، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔"

وہ عظیم معلم جو خود کتاب و حکمت کی تعلیم دے، پھر اس بڑا عالم اور پڑھا لکھا کون ہوسکتا؟؟

بہرحال، "امی" ہونے کے پیچھے صرف حکمت یہ تھی کہ وہ جان بوجھ کر خود لکھتے نہ تھے، تاکہ یہ الزام نہ لگے کہ یہ کتاب انہوں نے خود لکھی ہے۔

بعض شیعہ تفاسیر (المیزان، تفسیر قمی) ← اس پر زور دیتی ہیں کہ قرآن کا محفوظ رہنا صرف اللہ کے عہد کی وجہ سے ہے، اس لیے امت کو یقین ہونا چاہیے کہ یہ کتاب ہر تحریف سے محفوظ ہے۔

7۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَ مَا يَخۡفٰى ﴿۷﴾

سوائے اس کے جو اللہ چاہے، بیشک وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور مخفی کو بھی۔

(اظهر)

اللہ کی مشیت اور علم

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

"اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔"

(التکویر، 81:29)

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا

"ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے یا بھلا نہیں دیتے مگر یہ کہ اس سے بہتر یا ویسی ہی لے آتے ہیں۔"

(البقرة، 2:106)

لغوی و صرفی تحقیق

- **إِلَّا** ←مگر، سوائے۔
- **مَا شَاءَ اللَّهُ** ←جو اللہ نے چاہا۔
- **الْجَهْرَ** ←کھلا ہوا، ظاہر۔
- **وَمَا يَخْفَىٰ** ←اور جو چھپایا گیا، پوشیدہ رکھا گیا۔

جب رسول ﷺ کو قرآن کے نہ بھلانے کی ضمانت دی گئی (آیت 6)، تو وضاحت آئی کہ بھلانا اگر ہوگا بھی تو اللہ کی مشیت کے تحت، جیسے بعض آیات کو منسوخ یا وقتی طور پر بھلا دیا جاتا۔

❓ اعتراض: "اگر اللہ چاہے تو رسول ﷺ بھول بھی سکتے ہیں، کیا یہ قرآن کے تحفظ پر سوال نہیں؟"

✅ جواب: یہ "بھلا دینا" وحی کے نقص یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ **کی تشریعی حکمت** (نسخ یا وقتی تاخیر) کے تحت ہوتا۔ قرآن مجموعی طور پر محفوظ ہے اور رہے گا۔

ہاں یہ کلمہ استثناء صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لیے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرچیز پر قادر ہے‘ اس کے حکم اور اذن کے بغیر کوئی کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے حافظہ سے کوئی چیز محو کرنا چاہے تو وہ لاکھ اسے یاد کرتا رہے‘ یاد نہیں رکھ سکے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت حضور ﷺ بھول بھی گئے تھے۔ اس لحاظ سے اس جملے کی مثال سورۃ الزخرف کی اس آیت جیسی ہے : { قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۔} ”اے نبی ﷺ ! آپ ان سے کہیے کہ اگر رحمن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا اس کی عبادت کرنے والا میں ہوتا“۔ ظاہر ہے یہ کلام پرزور دینے کا ایک انداز ہے اور

اس کا مقصد انتہائیُ پرزور انداز میں یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہرگز کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا۔ (اسرار احمد)

✎ **یہ بات اس لیے کہی گئی کہ کچھ مفسرین اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ اس آیت کا یہ مطلب کہ کچھ آیات ایسی تھی جو منسوخ ہوگئی، وہ ایسی منسوخ ہوئی کہ اس کا مطلب بھی منسوخ تو قراءت بھی منسوخ۔ گویا آیت نبی اکرمﷺ کے حافظہ سے ہی غائب ہوگئی۔ پر بات یہ نہیں ہے، بات وہی ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد نے بیان کی، یہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔**

8۔ وَ نُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی ﴿۸﴾

اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کردیں گے۔

(احمد رضا خان)

اللہ کی طرف سے آسانی

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا. إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

"بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔"

(الشرح، 5:94-6)

سَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرَیٰ

"ہم اس کے لیے آسان راہ ہموار کر دیں گے۔"

(اللیل، 92:7)

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

"اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔"

(البقرة، 2:185)

📖 آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو تبلیغ رسالت کے بارے میں پیش آنے والی حوصلہ شکن مشکلات کو آسان طریقہ سے حل کرنے کے لیے راہ ہموار کریں گے۔ (کوثر)

📖 حضرت موسیٰؑ نے تبلیغی امور میں کامیابی کے لیے خدا سے دو چیزیں طلب کی تھی۔

رب اشرح لی صدری، ویسرلی امری۔ (سورہ طہ20: 26-25)

خداوند عالم نے حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کو یہ دونوں چیزیں بغیر طلب کیے عطا کیں۔

الم نشرح لک صدرک۔ (سورہ الم نشرح)... ونیسرك للیسری (سورہ علی) (تفسیر نور)

✏ حضرت موسیٰ نے دو چیزیں اور بھی مانگی تھی۔

واحلل عقدة من لسانی۔ واجعلی وزیرا من اهلی۔ هارون اخی۔

عقدة من لسانی کے مقابلے میں شاید یہی آیت ہے، سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤىۙ

اور وزیرا من اهلی کے لیے سورہ اسراء کی آیت 80

"وقل رب أدخلني مدخل صدق وأخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا"

✎ ونيسرك لليسرى۔ اس آیت کا ایک اشارہ سورہ مزمل میں بھی ملتا ہے۔

"إنا سنلقي عليك قولا ثقيلا"،

(یقینا ہم ضرور آپ پر عنقریب بھاری بات ڈالیں گے۔)

اور یہاں کہا جا رہا، ونيسرك لليسرى، (ہم آپکو آسان (راستہ/شریعت) کے لیہ سہولت دیں گے۔

ویسے سہولت لفظ مددگار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی کوئی کسی کے لیے یا کسی کے کام میں سھولتکار بنے۔ میرے نزدیک مولا علیؑ سے بڑھ کر مولا نبیؐ کا کوئی سھولتکار نہیں تھا۔

☜ نبی اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیاں مماثلت کو سورہ مزمل کی آیت 15 کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

❓ اعتراض: اگر دین آسان ہے تو پھر بعض احکام (جہاد، زکوٰۃ، روزہ) مشکل کیوں لگتے ہیں؟

✅ جواب: قرآن کا دعویٰ ہے کہ اسلام کی اصل ساخت فطرت اور توازن پر ہے، کوئی حکم انسانی طاقت سے باہر نہیں (البقرة، 2:286)۔ مشکل صرف انسان کی غفلت یا خواہشات کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے۔

۹۔ فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى ﴿۹﴾

تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت فائدہ دے۔

(اظھر)

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ (سورۃ الغاشیہ – 88:21)

"پس آپ نصیحت کرتے رہیں، بے شک آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔"

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ (عبس، 80:11)
كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ (مدثر، 74:54)
"ہرگز نہیں، بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ پس جو چاہیے، یاد رکھے (قبول کرے)۔"

نصیحت اور یاد دہانی
فَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ
"پس نصیحت کرتے رہو، بے شک نصیحت مؤمنوں کو فائدہ دیتی ہے۔"
(الذاریات، 51:55)

إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ. لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ
"آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر داروغہ نہیں۔"
(الغاشیہ، 88:21-22)

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ
"پس قرآن کے ذریعے نصیحت کیجیے، اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔"
(ق، 50:45)

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ انذار و تذکیر کا فریضہ تبھی سرانجام دیں جب مخاطب کو اس سے کچھ فائدہ ہو رہا ہو یعنی وہ اس تذکیر کا اثر قبول کر رہا ہو۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس حوالے سے وضاحت کردی گئی ہے۔ (اسرار احمد)

یہاں نبی ﷺ کو یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ آپ کا کام صرف **تبلیغ اور نصیحت** ہے، ہدایت دینا آپ کے بس میں نہیں۔
"إِن نَّفَعَتِ" ← شرط کا جملہ ہے مگر دراصل تاکید ہے، یعنی نصیحت ہمیشہ کسی نہ کسی کو فائدہ دیتی ہے، خصوصاً اہلِ ایمان کو۔

❓ اعتراض: "کیا مطلب کہ نصیحت صرف تب کرو جب فائدہ دے؟ پھر ضدی کافروں کو کیوں نصیحت کی جائے؟"

✅ جواب: یہ جملہ شرطیہ تحقیر کے اسلوب میں ہے، یعنی چاہے کافر فائدہ نہ بھی اٹھائیں، نصیحت کا فائدہ اہلِ ایمان ضرور لیں گے۔ اس لیے نصیحت کو کبھی ترک نہ کرو۔

10- سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى ﴿١٠﴾

جو خشیت رکھتا ہے وہ ذکر قبول کرے گا۔

(اظهر)

الا تذكرة لمن يخشى (طٰه، 20:3)

وذكر فان الذكرىٰ تفع المومنين (ذاريات، 51:55)

خشیت اور نصیحت

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ
"آپ تو بس اسی کو ڈراتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور رحمٰن سے غیب میں ڈرے۔"
(یس، 36:11)

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ
"پس قرآن کے ذریعے نصیحت کرو، اس کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔"
(ق، 50:45)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ
"ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔"
(الأنفال، 8:2)

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
" اللہ سے حقیقی خوف تو صرف علماء (اہلِ علم) ہی رکھتے ہیں۔"
(شفاطر، 35:28)

✎ **ذکر/نصیحت مطلب قرآن، جس کے دل میں تھوڑا سا بھی خوفِ خدا ہوگا، وہ اس ذکر کو قبول کرلے گا۔**

لغوی و صرفی تحقیق

- **سَیَذَّکَّرُ** " ←س" (عنقریب/یقیناً) + "یَذَّکَّرُ" (یاد کرے گا، نصیحت قبول کرے گا)۔
- **مَن یَخْشَیٰ** ←جو "خشیت" رکھتا ہے، یعنی دل میں اللہ کا خوف اور ادب۔

قرآن کا نفع **دل کی کیفیت** پر موقوف ہے، محض عقل یا علم کافی نہیں۔
"یَخْشَیٰ" کا لفظ "خوف" سے زیادہ "ادب اور عاجزی" کو ظاہر کرتا ہے۔
اس آیت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ نصیحت سب کو کی جاتی ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جس کے اندر اللہ کی خشیت ہے۔

❓ اعتراض: کیا نصیحت کا فائدہ صرف ڈرنے والوں کو ہی ہوتا ہے؟ پھر دوسروں کو کیوں سنایا جائے؟

✅ جواب: نصیحت سب کو سنائی جاتی ہے، مگر اثر صرف ان پر ہوتا ہے جو تیار دل رکھتے ہیں۔ باقیوں کے لیے نصیحت حجت تمام کرنے کا ذریعہ ہے۔

11۔ وَ یَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَی ﴿۱۱﴾

اور جو شقی ہوگا وہ دور بھاگے گا۔

— (اظھر)

یَومَ یَاتِ لَا تَکَلَّمُ نَفسٌ اِلَّا بِاِذنِهٖ ۚ فَمِنهُم شَقِیٌّ وَّسَعِیدٌ ۱۰۵ (شقی و سعید) (هود، 11:105)

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (سورہ نوح)

"نوح نے کہا: اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا، مگر میری دعوت نے ان کو اور زیادہ بھگایا۔"

بدبختی اور اعراض

فَسَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ. وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى. الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ
"پس نصیحت وہی قبول کرے گا جو ڈرتا ہے، اور اس سے دور رہے گا سب سے بدبخت، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا۔"
(الأعلی، 87:10-12)

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ
"پھر اگر وہ منه موڑیں تو کہه دو کہ میں نے تمہیں عاد و ثمود کی تباہی جیسی آفت سے ڈرا دیا ہے۔"
(فصلت، 41:13)

فَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ
"جس کا سینه الله نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی روشنی پر ہے۔ پس ہلاکت ہے ان کے لیے جن کے دل الله کے ذکر سے سخت ہو گئے۔"
(الزمر، 39:22)

لغوی و صرفی تحقیق

- **يَتَجَنَّبُهَا** " ←جناب" سے، بچنا، دور ہونا۔ "یتجنب" = دوری اختیار کرے گا، اجتناب کرے گا۔
- **الأَشْقَى** ←سب سے زیادہ شقی، بدبخت ترین، وہ جو اپنی بدبختی کے باعث نصیحت قبول نہ کرے۔

پر جو شقی، بدبخت قسم کے لوگ ہوں گے، ان کو چاہیں کتنا بھی سمجھایا جائے، انھیں قبول نہیں کرنا۔ یہ ان کی ضد، تکبر، ہٹ دھرمی، اور بدبختی ہے اور کچھ نہیں۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ (حجر، 15:15)

"اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور وہ دن دہاڑے اس میں چڑھنے لگیں، تو بھی یہ کہیں گے: ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے

(یا ہمیں نشہ سا ہو گیا ہے)، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے"!

❓ **اعتراض: اگر "اشقی" کی بدبختی پہلے سے طے ہے تو پھر اس کا قصور کیا ہے؟**

✅ **جواب: قرآن کے مطابق شقاوت کوئی پیدائشی چیز نہیں، بلکہ انسان کی ضد، کفر اور انکار کا نتیجہ ہے۔ یعنی اس نے خود اپنے اعمال سے اپنے آپ کو "اشقی" بنایا۔**

12۔ الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰی ﴿۱۲﴾

جو (آخر کار) داخل ہوگا بڑی آگ میں۔

— بیان القرآن (ڈاکٹر اسرار احمد)

جہنم کی بڑی آگ

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى. لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى

"پس میں نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا، جس میں صرف بڑا بدبخت داخل ہوگا۔"

(اللیل، 92:14-15)

كَلَّا إِنَّهَا لَظَى. نَزَّاعَةً لِّلشَّوَى. تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ

"ہرگز نہیں، وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے، جو جلد کو نوچ ڈالے گی، وہ پکارے گی اسے جو پیٹھ پھیرے اور منہ موڑے۔"

(المعارج، 70:15-17)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا

"بیشک جنھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔"

(النساء، 4:56)

- یہ آیت خاص طور پر اُن لوگوں کے انجام کی وضاحت کرتی ہے جو قرآن کی نصیحت کو جھٹلاتے اور تکبر سے انکار کرتے تھے۔
مکہ میں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو اس وعید کا مصداق سمجھا جاتا تھا۔

- یہ وضاحت ہے کہ "اشقی" کا انجام محض دنیا کی ناکامی نہیں بلکہ آخرت کی دائمی تباہی ہے۔
آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ قرآن سے روگردانی کا نتیجہ صرف جہنم ہے۔

13۔ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴿۱۳﴾

پھر اس میں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔

(بلاغ القرآن)

لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ ۚ ۲۸ (مدثر، 74:28)

جہنم کی زندگی اور موت کی کیفیت

لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا
"نہ ان پر موت فیصلہ کی جائے کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے۔"
(فاطر، 35:36)

يُرِيدُ أَن يَخْرُجَ مِنْهَا وَمَا هُوَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ
"وہ چاہیں گے کہ وہاں سے نکل جائیں مگر وہ وہاں سے نکلنے والے نہیں، اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔"
(المائدة، 5:37)

لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُرْجَعُونَ
"ان پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی انہیں (دنیا کی طرف) لوٹایا جائے گا۔"
(الجاثية، 45:35)

- جہنم کی سب سے بڑی ہولناکی یہی ہے کہ وہاں **نہ موت نجات دے گی اور نہ زندگی راحت دے گی۔**
یہ کیفیت "زندگی برائے عذاب" ہے، یعنی وجود قائم رہے گا مگر سکون اور حقیقی حیات نہیں ہوگی۔
قرآن نے جہنم کو ایک "لمبی اذیت ناک زندگی" کے طور پر بیان کیا ہے۔

تزکّٰی – فصلّی

14۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾

بے شک فلاح پاگیا جس نے تزکیہ کیا (اپنے نفس کو پاک کیا)۔

(اظھر)

ذکر اور نماز کا تعلق

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

"پس اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔"

(الواقعة، 56:74)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

"اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔"

(طه، 20:14)

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ. أُوْلَٰٓئِكَ فِي جَنَّـٰتٍ مُّكْرَمُونَ

"اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، وہی باغات میں عزت دیے جائیں گے۔"

(المعارج، 70:34-35)

تزکیہ اور فلاح

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا. وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا

"کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اور ناکام ہوا جس نے اسے گناہوں میں چھپایا۔"

(الشمس، 91:9-10)

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

"کامیاب ہوا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔"

(الأعلى، 87:14-15)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

"کامیاب ہوئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔"

(المؤمنون، 23:1-2)

- مکی دور میں بھی **"تزکیہ"** کا اصل مفہوم **روحانی پاکیزگی** اور **اخلاقی اصلاح** تھا، مدنی دور میں اس کے ساتھ **مالی زکوٰۃ** کا حکم بھی شامل ہوا۔

"تزکی" دو سطحوں پر ہے:
1. **باطنی پاکیزگی** ←دل کو کفر، شرک، تکبر اور برائیوں سے پاک کرنا۔
2. **ظاہری پاکیزگی** ←عمل، عبادت اور زکوٰۃ کے ذریعے عملی صفائی۔

قرآن کی نظر میں کامیابی دولت یا اقتدار میں نہیں بلکہ نفس کے تزکیے میں ہے۔

❓ تزکیہ ایک **ذاتی عمل** ہے یا **اجتماعی نظام** کا تقاضا؟

✅ جواب: قرآن کے مطابق تزکیہ **فرد اور سماج دونوں پر لازم ہے۔** فرد کو اپنے نفس کو پاک کرنا ہے، اور سماج کو نظامِ عدل و خیرات قائم کرنا ہے تاکہ پاکیزگی اجتماعی سطح پر بھی ظاہر ہو۔

آج انسان نے مادی ترقی حاصل کر لی مگر تزکیہ (اخلاق و روحانی پاکیزگی) سے دور ہے، اسی لیے بدامنی اور بے سکونی عام ہے۔
کامیاب وہی ہوگا جو دنیا میں نفس کی اصلاح اور زکوٰۃ (دینی و اخلاق پاکیزگی) پر عمل کرے۔

15- وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾

اور اپنے رب کا نام لیا، پھر نماز پڑھی۔

(وحیدالدین)

ذکر اور نماز کا تعلق

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

"پس اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔"

(الواقعۃ، 56:74)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

"اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔"

(طٰہ، 20:14)

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكّٰى. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

"کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی اختیار کی، اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔"

(الأعلى، 87:14-15)

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ. أُوْلَٰئِكَ فِي جَنَّٰتٍ مُّكْرَمُونَ
"اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، وہی باغات میں عزت دیے جائیں گے۔"
(المعارج، 70:34-35)

۱. فلاح و نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے آپ کو دنیا پرستی سے پاک رکھتا ہے۔ یعنی اگر دنیا اور آخرت میں تصادم ہو تو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور دنیوی مفادات سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ یہ نفس کی پاکیزگی کی علامت ہے۔ حدیث ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ.... (الکافی۲: ۳۱۶)

دنیا پرستی ہر گناہ کی جڑ ہے۔

۲. جب نفس حب دنیا کے پردوں کے پرے نہ ہو گا۔ بلکہ پاک و شفاف ہو گا تو اس کا ضمیر اور وجدان بیدار ہو گا۔ نماز کے اوقات میں نام خدا یاد آئے گا پھر نماز کے لیے دوڑے گا۔ (کوثر)

اس آیت میں کامیابی کا عملی فارمولا بتایا گیا ہے:
دل کی پاکیزگی (تزکیہ)
زبان و دل سے ذکر (ذکر اسم ربہ)
عمل کی صورت میں عبادت (فصلیٰ)
یہ تینوں پہلو مل کر انسان کو کامیاب بناتے ہیں۔
ذکر اور نماز کا آپس میں گہرا تعلق ہے: ذکر روح ہے اور نماز اس کا جسم۔

فَصَلَّىٰ کا روٹ ورڈ

- صَلَّى ←اس کا روٹ (اصل مادہ) ہے :ص ل و / ص ل ي.
- عربی لغت میں اس کے بنیادی معانی:
  1. دعاء کرنا (دعا مانگنا)
  2. عبادت کرنا
  3. جھکنا اور قریب ہونا
  4. آگ کے قریب ہونا (صَليَ بالنار = آگ کے قریب ہوا)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک ہی سورۃ میں چند آیات کے مفاصلے پر ایک ہی لفظ کے دو مختلف معنی (بیک ٹو بیک) استعمال کی گئی ہیں۔ آیت 12 میں آگ میں جھونکے جانے کے مفہوم میں "صلٰی" استعمال ہوا، اور یہاں اللہ کی قربت حاصل کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا۔

تزکیٰ کیا ہے؟

- قد أفلح من تزکی۔ (کامیاب صرف ہی ہے جس نے تزکیہ کیا۔) یہ تزکیہ کیا ہے؟ جس میں کامیابی چھپی ہئی۔
- تزکیہ خودبخود نہیں ہوتا بلکہ اس لیے کوشش کی جاتی ہے۔ (نور)
- تزکیہ بغیر نماز و عبادت حاصل نہیں ہوتا۔ وذکر اسم ربه فصلی۔ (نور)
- بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا۔ تزکیہ میں رکاوٹ دنیا کی محبت ہے۔ (نور)

دنیا و آخرت

16۔ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۱۶﴾

پر تم زندگانی دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔

(اظھر)

دنیا کو ترجیح دینا

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ. وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

"ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔"

(القیامۃ، 75:20-21)

مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا... أُوْلَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ

"جو کوئی دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے ہم انہیں وہیں ان کے اعمال کا بدلہ دے دیتے ہیں... ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔"

(ھود، 11:15-16)

مَن كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

"جو دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا بدلہ ہے۔"

(النساء، 4:134)

شانِ نزول / تاریخی پس منظر

- یہ آیت ان مشرکین کے طرزِ عمل کو بیان کرتی ہے جو آخرت کو ماننے کے بجائے دنیاوی آسائشوں میں مگن تھے۔
- بعض روایات میں آیا کہ قریش کے سرداروں نے رسول ﷺ سے کہا: "ہمارے ساتھ دنیا میں شریک ہو جاؤ، ہم تمہیں عزت دیں گے۔" اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔
-

انسان کے سامنے ہمیشہ دو راستے ہیں :**دنیا یا آخرت**۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ زیادہ تر لوگ وقتی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے (اگلی آیت میں یہی آئے گا)۔

یہ آیت دراصل انسان کی نفسیات پر تنقید ہے: جلدی کا انتخاب اور دیرپا حقیقت کو بھلا دینا۔

❓ کیا دنیا سے محبت رکھنا ممنوع ہے؟

✅ جواب: اسلام دنیا کو برا نہیں کہتا بلکہ دنیا کو مقصد بنانے کو برا کہتا ہے۔ دنیا "کھیتی" ہے آخرت کے لیے (الزخرف، 43:35؛ البقرة، 2:201)۔ اصل مسئلہ تب ہے جب انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دے۔

⚒️ آج کے دور میں دنیا کی محبت مزید بڑھ گئی ہے: ٹیکنالوجی، دولت، شہرت ← سب عارضی ہیں۔
یہ آیت یاد دلاتی ہے کہ اصل ترجیح آخرت ہونی چاہیے، دنیا کا ہر عمل آخرت کی نظر سے ہونا چاہیے۔

17۔ وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴿۱۷﴾

جبکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

(جوادی)

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا. وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ
"بلکہ تم دنیا کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"
(الأعلى، 87:16-17)

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
"اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش وہ جانتے۔"
(العنكبوت، 29:64)

وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ
"اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔"
(القصص، 28:60)

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ
"تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو، اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔"
(الأنفال، 8:67)

لغوی و صرفی تحقیق
الآخرة ←آخر سے ماخوذ، بعد کی چیز۔ یہاں مراد آخرت کی زندگی۔
خَيْرٌ ←بہتر، زیادہ نفع بخش۔
أَبْقَىٰ ← صیغہ تفضیل "بقاء" سے → زیادہ باقی رہنے والی، ہمیشہ قائم رہنے والی۔

دنیا عارضی ہے، آخرت دائمی۔
دنیا کی لذتیں وقتی اور محدود ہیں، آخرت کی نعمتیں لا محدود اور ہمیشگی رکھتی ہیں۔
یہ آیت دنیا پرستی کے مقابلے میں **فلسفۂ صبر اور امیدِ آخرت** کو اجاگر کرتی ہے۔

❓ اگر آخرت بہتر ہے تو پھر اللہ نے دنیا میں حسن و جمال اور لذتیں کیوں پیدا کیں؟
✅ جواب: دنیا کی لذتیں آزمائش کے لیے ہیں، تاکہ پتا چلے انسان وقتی کو چنتا ہے یا دائمی کو۔ **دنیا "امتحان گاہ" ہے، آخرت "انعام گاہ"۔**

"خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ" → دو الفاظ میں تقابل: دنیا وقتی ہے، آخرت بہتر اور باقی۔
صوتی ہم آہنگی: "خیر" اور "ابقی" → معنوی ربط کو مزید مؤکد کرتی ہے۔
ایجاز کا کمال: صرف چار الفاظ میں دنیا و آخرت کا پورا فلسفہ۔

صحفِ اولیٰ

18۔ اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۸﴾

یقیناً یہی (باتیں) پہلے صحیفوں میں بھی (مرقوم) تھیں۔
(اظہر)

پہلے صحیفوں میں بھی یہی تعلیمات
شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ
"اس نے تمہارے لیے دین میں وہی شریعت مقرر کی جس کی وصیت اس نے نوح کو کی، اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی، اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی۔"
(الشوریٰ، 42:13)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ
"اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔"
(الأنبياء، 21:105)

قرآن کی دعوت **مسلسل پیغام** ہے، کوئی نیا ایجاد نہیں۔
بنیادی تعلیمات (توحید، عبادت، تزکیہ، دنیا کی حقیقت، آخرت کی برتری) ہمیشہ ایک ہی رہی ہیں۔
اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پچھلی وحیوں کا تسلسل اور ان کا تکملہ ہے۔

❓ اگر یہ سب پچھلی کتابوں میں بھی تھا تو پھر قرآن کی کیا ضرورت؟
✅ جواب: سابقہ صحیفے یا تو تحریف کا شکار ہو گئے یا ضائع ہوگئے۔ قرآن ان تعلیمات کو اصل شکل میں دوبارہ پیش کرتا ہے اور ان کا تکملہ کرتا ہے۔

19۔ صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿۱۹٪﴾

ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں (میں)
(اظهر)

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی ۙ۳۶ وَ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ۙ۳۷
(یہی مضمون سورۃ النجم میں بھی آیا ہے)
کیااس کو خبر نہیں پہنچی اس بات کی جوموسیٰ کے صحیفوں میں ہے
اور ابراہیمؑ کی جنہوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا,
(النجم، 53:36-37)

اس آیت سے واضح ہوا کہ **توحید، تزکیہ، ذکرِ الٰہی، نماز، دنیا کی عارضی حقیقت اور آخرت کی برتری** —یہ سب بنیادی تعلیمات ہمیشہ سے انبیاء کا پیغام رہی ہیں۔
ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفے اس تسلسل کی نمایاں مثال ہیں۔
قرآن خود کو اسی سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر پیش کرتا ہے۔

📖 **البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف کا آج بظاہر کہیں نشان نہیں ملتا۔ اس حوالے سے میری رائے یہ ہے اور میں اپنی اس رائے کا اظہار قبل ازیں بھی متعدد بار کرچکا ہوں کہ ہندوئوں کے "اپنشد" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔**
(اسرار احمد)

✎ **حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شاید اس لیے کہ مکہ کے عرب نسلِ اسماعیل علیہ السلام سے ہونے کی وجہ سے خود کو ملتِ ابراہیم پر سمجھتے تھے، اور نبی کریمﷺ کو بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم تھا۔**

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
"اور ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یکسو تھے۔"
(النحل، 16:123)
قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
"کہہ دو: بلکه ہم ابراہیم کی ملت کے پیرو ہیں جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نه تھے۔"
(البقرة، 2:135)
مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
"یه تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا۔"
(الحج، 22:78)

اور حضرت موسٰی علیہ السلام کا ذکر شاید اس لیے کہ، شریعتِ محمدی سے پہلے شریعتِ موسوی ہی رائج تھی، اور صُحف موسٰی (تحریف شدہ صحیح پر) موجود تھی۔
جبکہ سورہ مدثر میں یہ آیت آچکی کہ "تمہاری طرف رسول بھیجا گیا، جیسا کہ رسول بھیجا گیا فرعون کی طرف۔ مزمل/15)

📖 اصول کافی میں ابوبصیر سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام نے فرمایا: تورات اس وقت نازل ہوئی، جب ماہِ رمضان کے چھہ روز گزر چکے تھے، انجیل 12 رمضان کو نازل ہوئی۔ زبور 18 رمضان کو نازل ہوئی اور قرآنِ مجید شب قدر کو نازل ہوا۔ (نورالثقلین)

📖 کتابِ خصال میں روایت ہے، جناب ابوذر غفاری فرماتے ہیں: "ایک دفعہ جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو تاجدار نبوت رسول اکرمﷺ اکیلے تشریف فرما تھے۔ میں نے اس خلوقت کو غنیمت خیال کیا۔ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 104 کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنابِ شیثؑ پر پچاس (50) صحیفے نازل فرمائے۔ جناب ادریسؑ پر تیس (30) صحیفے نازل فرمائے۔ حضرت ابراہیمؑ پر بیس (20) صحیفے نازل فرمائے اور چار کتابیں نازل فرمائیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جناب ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟

آپؐ نے فرمایا: اس میں تمام مثالیں تھیں۔ اس میں یہ بھی تھا: اے مغرور بادشاہ! میں نے تجھے دنیا میں اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو دنیا کو جمع کرتا رہے۔ میں نے تو تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ تو مظلوم کی فریاد کو سنے اور میری طرف سے اُسے اس کا حق دلائے چاہے وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔

عاقل پر لازم ہے جب تک وہ عقل مند ہے کہ اس کے لیے چند ساعات ہیں: ایک ساعت میں اُسے اپنے پروردگار سے مناجات کرنا چاہیے۔ دوسرے ساعت میں اُسے چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کرے۔ تیسرے ساعت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غوروفکر کرے۔ اپنے لیے ایک ساعت خاص کرے، جس میں خلوت اختیار کرے اور رزقِ حلال سے استفادہ کرے۔ پس یہ ساعت ان ساعات کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

عقل مند آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کی بھرپور بصیرت رکھتا ہو اور اپنے کام پر بھرپور توجہ دینے والا ہو۔ اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ جب کلام اس کے کام کے مطابق ہوجاتا ہے تو کلام کم ہوجاتا ہے۔ ہاں صرف مقصد کی بات کرتا ہے اور بس۔

صاحبِ عقل و دانش پر لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کو طلب کرے۔ 1۔ اپنی معیشت کے لیے محنت کرے۔ 2۔ قیامت کے دن کے لیے زادِراہ بنائے۔ 3۔ حلال چیزوں سے لذت حاصل کرے۔

جنابِ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جنابِ موسیٰؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟

آپؐ نے فرمایا: اس میں عبرتیں تھیں اور ان کی عبارت تھی۔ تعجب ہے اس پر، جسے اپنی موت کا یقین ہو اور پھر خوش خوش رہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے دوزخ پر یقین ہو تو پھر وہ کیسے ہنسا ہے۔ تعجب ہے اُس پر ، جو دنیا کے انقلابات بھی دیکھتا ہے اور پھر وہ کیسے مطمئن رہتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر، جو قدر کو تسلیم کرتا ہو اور پھر وہ کیسے دشمنی سے کام لیتا ہے۔ تعجب ہے اُس پر جسے حساب کا یقین ہو اور پھر اچھے عمل نہ کرے؟ (نورالثقلین)

درسِ سورة

✐ اپنے رب کو پہچانو جس نے یہ دنیا بنائی، خلق کیا، درست کیا، مقدر کیا، اور پھر ہدایت بھی فرمائی۔

اے نبی مکرمﷺ، اس قرآن و شریعت کے بوجھ کو دل پر نہ لیں، ہم آپ کو خودی پڑھوا بھی دیں گے، اور آسان راستہ کی طرف ہدایت بھی کردیں گے۔

اور قرآن کی نصیحت کا اثر تو صرف ان پر ہوگا، جو تھوڑی سی بھی خشیتِ خدا رکھتے ہیں۔ باقی جن کے دل سخت ہوچکے وہ اس سے اجتناب ہی کریں گے۔

بس تزکیہ کرو، اپنے رب کے نام کا ذکر کرو، اور نماز پڑھو،

دنیا کی فکر چھوڑو، اور آخرت کی فکر کرو۔

بس یہی بنیادی درس ہے، اگر سمجھو تو، اور یہی درس اس سے پہلے کی کتابوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے تو جہنم میں کیوں ڈالے گا؟

✐ اکثر لوگوں کے دلوں میں خیال آتا ہے کہ اللہ تبار و تعالیٰ بہت رحمٰن و رحیم ہے، لفظ رحمٰن خود اللہ کے خاص ناموں میں سے ایک ہے، اور کئی آیات اس حوالے سے خاص ہیں، جیسے:

”كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ “(الانعام:۵۴)

”تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کا معاملہ لازم کرلیا ہے۔“

”رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ۔ “(الانعام:۱۴۷)

”تمہارا رب بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے۔“

”وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔‘(الاعراف:۱۵۶)

”میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔“

”وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ۔“(الکہف:۵۸)

”تمہارا رب بہت بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔“

فرشتوں کا یہ قول بھی قرآن میں نقل ہوا ہے:

"رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا۔ "(الغافر:۷)
"اے ہمارے رب! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز پر بھاری ہے۔"

اسکے بعد اللہ کا اپنے کمزور ناتواں بندوں کو جھنم میں کیوں ڈالیں گے؟ جہنم کا جو نقشہ کھینچا گیا، وہ بہت سخت ہے، اور انسان تو بہت نازک چیز ہے جو ایک جسم میں سئی کا چُبھنا بھی برداشت نہیں کر پاتا، بلکہ کچھ لوگ صرف خون دیکھ کر بے ہوش ہوجاتے...

اور آج کے دور میں وہ ترقی یافتہ ممالک جہاں کے لوگ وقت کے ساتھ کچھ زیادہ نازک نفیس بن چکے، وہ یہ خیال بھی ذھن میں نہیں لا سکتے کہ انسان کا خدا اسے کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے، یا ڈائریکٹ آگ میں۔

اس مناسبت سے وہ دینِ اسلام قبول نہیں کر پاتے، یہ یہاں سختی بہت ہے۔ جبکہ اللہ تعالٰی قرآن میں بے شک سچ ہے، اور وہ فرماتا ہے:

- **وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (سجده، 32:13)**
"لیکن میری بات ثابت ہو چکی ہے کہ میں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔"

- **قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ (اعراف، 7:18)**

"(اللہ نے فرمایا) نکل جا یہاں سے، تو ذلیل و راندہ ہے، اور جو بھی ان میں سے تیرا پیرو ہوگا، میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔"

وَاِن مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتمًا مَّقضِيًّا ۚ ٧١ (مریم، 19:71)

تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنّم پر وارد نہ ہو، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔

پھر یہ بات contradict ہوتی، کہ اللہ رحمٰن بھی ہے، اور اللہ جہنم بھی بھر دے گا؟

اب اس سوال کے جواب کا ایک معقول مفروضہ تو یہ بن سکتا کہ

1. **اللہ تعالٰی دراصل اپنے وقت کے انبیاء و اولیاء کے ہاتھ میں اپنی اپنی قوم دے دے گا۔ وہ چاہیں تو اپنے حساب سے جس کو جنت میں ڈالیں، یا چاہیں تو جس کو دوزخ میں ڈالیں۔ کیونکہ اللہ کی رحمت تو وسیع ہے، پر اللہ کے بندوں کی نہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کے بعد کہا تھا:**

وَ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَر عَلَى الاَرضِ مِنَ الكٰفِرِينَ دَيَّارًا ٢٦ (نوح، 71:26)

اور نوح ؑ نے کہا : اے میرے پروردگار ! ابُ تو اس زمین پر کافروں کا بستا ہوا ایک گھر بھی مت چھوڑ۔

اور جس کا ایک اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے:

"بَيْنَا أَنَا قَائِمٌ، إِذَا زُمَرٌ تَعْرِفُنِي وَأَعْرِفُهُمْ، فَيُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ قَدْ غَيَّرُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي"! (بخاری، 7050-7051)

ترجمہ:
نبی ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن (حوض کے پاس) کھڑا ہوں گا، میرے پاس کچھ گروہ آئیں گے، جنہیں میں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں،
مگر میرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا (یعنی روک دیا جائے گا)۔
تو کہا جائے گا: آپ کے بعد انہوں نے دین میں تبدیلی کر لی تھی۔
میں کہوں گا: دور ہو جائیں، دور ہو جائیں وہ جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی"!

✎ پھر یہ کہنا کہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی – رسول کے خلیفہ و جانشین ہونے کی وجہ سے، اپنے دور کے لوگوں کے درمیان کچھ اس طرح کا فیصلہ کرنے کا موقع ملے گا، تو کچھ مضائقہ نہیں۔

📖 حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا اور ہمارے پیروکاروں کا حساب ہمارے حوالے کیا جائے گا، تو ان پر جو حقوق اللہ ہوں گے تو ان کے متعلق

ہم حکم جاری کریں گے اور اللہ اس کی منظوری دے دے گا اور جو حقوق الناس ہوں گے وہ بھی ہم معاف کروادیں گے اور جو حقوق ہمارے متعلق ہوں گے وہ ہم خود معاف کردیں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہوں گے ہم جہاں بھی ہوں گے۔ (نورالثقلین، ج9)

✎ اس بیچ میں حتمی سفارش تو اللہ ہی کے طرف سے ہوگی۔ اگر کسی کو جہنم کی طرف بھیجا گیا، پر اللہ جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اسنے فیصلہ کیا کہ یہ جنت میں جائے، تو پھر ایسا ہی ہوگا۔ اور دونوں جنتیوں میں جو اختلاف ہوگا، اللہ صاف کردے گا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ (حجر، 15:47)

"اور ہم ان کے دلوں میں جو کینہ (کدورت) ہوگا، اسے نکال دیں گے، اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔"

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ (اعراف، 7:43)

"اور ہم ان کے دلوں کی کدورت نکال دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی"...

؟ ان لوگوں/قوموں کا کیا جن کی طرف کوئی نبی/ یا نبی کا وصٰ مبعوث نہیں ہوا؟

"عِلمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَٰبٍ" (طہ)

یعنی:

"ان کا حساب میرے رب کے پاس ہے، اس نے ہر چیز محفوظ رکھی ہے۔"

بہرحال، جن کے پاس کوئی عُذر ہوگا، تو یہ اس کے لیے، بخشش کا سامان بنے گا۔

دوسرا اسکا جواب یہ ہوسکتا کہ جن کے لیے جہنم کا کا پروانہ لکھ دیا گیا، وہ واقعی میں اس کے لائق ہوں گے۔ یعنی جب ان کو خود اپنی زندگی کا صحیفہ پڑھایا جائے گا، تو وہ خود قبول کریں گے،

"ہم اسی لائق ہیں!"

اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا

"(قیامت کے دن کہا جائے گا:) اپنی کتاب پڑھ لے! آج تو خود ہی اپنے خلاف حساب لینے کے لیے کافی ہے۔"

(واللہ اعلم بالصواب)

اس سوال کا جواب چیٹ جی پی ٹی کی مدد سے جو ملا وہ مندجہ ذیل ہے:

1. امام علی علیہ السلام (نہج البلاغہ) – عدل اور حجت

قول (نہج البلاغہ، خطبہ 91):

"وَ أَرْسَلَ إِلَيْهِمُ الرُّسُلَ، لِيَسْتَأْدُوهُمْ مِيثَاقَ فِطْرَتِهِ، وَ يُذَكِّرُوهُمْ مَنْسِيَّ نِعْمَتِهِ، وَ يُحَاجُّوهُمْ بِالتَّبْلِيغِ، وَ يَثِيرُوا لَهُمْ دَفَائِنَ الْعُقُولِ"...

مفہوم:
اللہ نے رسولوں کو اس لیے بھیجا تاکہ:

- وہ لوگوں سے ان کے **فطری وعدے** کا تقاضا کریں
- بھولی ہوئی نعمتوں کی یاد دہانی کروائیں
- اللہ کے عذر تمام کر دیں، تاکہ **بعد میں سزا عدل پر مبنی ہو**

نکتہ: امام علیؑ کے نزدیک اللہ کی سزا اس وقت آتی ہے جب **حجت تمام ہو چکی ہو** — یعنی اللہ نے سمجھانے کا حق پورا ادا کیا ہو۔

---

2. امام غزالیؒ (1058–1111م) – احیاء علوم الدین

اقتباس (احیاء علوم الدین، کتاب الخوف والرجاء):

"العبد ينبغي أن يخاف عذاب الله وإن كان راجياً رحمته، لأن العدل والفضل كليهما قائم في الله"

مفہوم:

- بندے کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا بھی چاہیے، اور رحمت کی امید بھی رکھنی چاہیے
- کیونکہ اللہ میں **عدل** بھی ہے اور **فضل** بھی

نکتہ: امام غزالی کے مطابق اللہ کی رحمت **بے سبب نہیں ملتی** — بلکہ اس کے لیے **تقویٰ، سچائی اور رجوع** شرط ہے۔

---

3. 🟦 ابن تیمیہؒ (1263–1328م) – عدل و رحمت کا توازن

📕 **ماخوذ از: مجموع الفتاویٰ، جلد 8**

"رحمة الله عامة، وعذابه لا يقع إلا على من استحقه عدلاً بعد قيام الحجة عليه"

مفہوم:
اللہ کی رحمت **عام** ہے، مگر عذاب **صرف اُن پر** ہوتا ہے جو اس کے مستحق ہوں — **عدل کے تحت، حجت کے بعد**

🔍 **نکتہ :** ابن تیمیہ بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ **اللہ کسی کو بنا حجت عذاب نہیں دیتا**، بلکہ اختیار، علم، اور انکار کی بنیاد پر۔

---

4. 🟥 علامہ طباطبائیؒ (1903–1981) – المیزان فی تفسیر القرآن

📖 **تفسیر آیت (الأنعام 6:12):**

"كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ"

علامہ لکھتے ہیں:
"الله وضع قانون الرحمة، ولكن لم يرفع قانون العدالة، فالذي يعاند ويمكر بعد العلم، فمصيره العدل لا الفضل."

مفہوم:
اللہ نے اپنے اوپر رحمت فرض کی، مگر **عدل کا قانون معطل نہیں کیا**
جو علم کے باوجود **ضد اور فریب** اختیار کرے، اس پر اللہ کا **عدل** ظاہر ہوگا، نہ کہ فضل۔

🔍 **نکتہ :** علامہ طباطبائی کے مطابق جہنم **رحمت کی نفی نہیں**، بلکہ ان لوگوں پر عدل کا نفاذ ہے جنہوں نے اللہ کی طرف سے بھیجی گئی روشنی کے باوجود **ظلمت کا انتخاب** کیا

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اظهر حسین (غفراللہ له)

14 جون 2023

موڈیفائیڈ:

19-جون، 2025

21 آگسٹ 2025